

حکایات

(بپور گیلے سبق آموز حکایتیں)

مرتضی اشعر

فکرِ نوپبلی کیشنز پاکستان

ضابطہ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب کا نام : حکایات
مصنف: مرتضی اشعر
اشاعت دوم: 2004ء
سرورق: خیزان
ناشر: فکر نو پبلی کیشنر ز پاکستان
طابع: ایم۔ بی پر نظر
قیمت: 35/- روپے

انتساب

اپنی پیاری بیٹی
جنہے اشعر
کے نام!

ترتیب

8	برکت	-1
11	حسن سلوک	-2
13	دیانت	-3
15	حاضر جوابی	-4
18	سچائی	-5
20	ذہانت	-6
22	عظیم حکمران	-7
24	نیت	-8
26	برتری	-9
28	دانائی	-10
30	اندھا فقیر	-11
32	توبہ	-12
34	احساس	-13
36	مشورہ	-14

پیش لفظ

مرتضی اشعر کو میں اس کے بچپن سے جانتا ہوں۔ اب یہ بڑا ہو گیا ہے اس لئے بڑوں کے لئے ادب تخلیق کر رہا ہے حالانکہ اس نے بچوں کے ادب سے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز کیا تھا۔ لیکن بڑا ہونے کے باوجود اس نے اپنے بچپن کو نہیں بھلا کیا۔ کچھ عرصہ قبل اس نے پہلی بار ملتان سے بچوں کا رسالہ ”عظیم پاکستان“ بھی نکالا تھا، بچوں کے ادب کی تخلیق اور اس کی ترویج میں مرتضی اشعر کی کاوشات سراہنے کے قابل ہیں۔ میں شاید یوں کہنا چاہتا ہوں کہ جب یہ پچھا تو بھی اس کے تخلیل کی پرواز بڑوں جیسی تھی، اب بڑا ہو کر بھی یہ بچپن اور بچوں کے بارے میں سوچتا ہے

بچوں کا ادب کوئی بچوں کا کھیل نہیں، اس کی تخلیق کے لئے ایک بڑے ادیب کی گہری بصیرت درکار ہے، جو بچوں کی ذہنی سطح تک آئے اور زبان کا بھی خاص خیال رکھے۔ اسی لئے بہت سے بڑے (ادیب) اس کام سے دور رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑوں کے ادب کی نسبت بچوں کے ادب پر ہمارے ہاں بہت کم کام ہوا، حالانکہ میں سمجھتا ہوں بچوں کی تربیت کے لئے ہمیں اچھے ادب کی اشد ضرورت ہے لیکن اس طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔

مرتضی اشعر نے ”حکایت“ کی شکل میں بچوں کے لئے ایک خوبصورت اور اہم کتاب دی ہے، جس میں زبان کا خیال بھی رکھا گیا ہے اور اخلاق کا بھی۔ بچوں کی اخلاقی تربیت، اپنے شاندار ماضی، مشاہیر اور تاریخ سے روشناسی کے لئے میں سمجھتا ہوں اس قسم کی کتابوں کی اشد ضرورت ہے۔ دوسرے ادیبوں کو بھی مرتضی اشعر کی تقلید کرتے ہوئے اپنے مستقبل (بچوں) کے بارے میں اپنے قلم کو حرکت میں لانا چاہیے۔

منظہر کلیم

(ایم۔ اے)

حکایات بارے

یہ کتاب ”حکایات“ میں نے بچوں کے لئے آسان اردو میں ایک مقصدیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھی ہے۔ ہم الحمد للہ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کا ماضی بہت تباہ ک ہے لیکن ہماری نئی نسل اپنے تباہ ک ماضی سے روشناس نہیں ہے۔ ہماری یعنی پودنیوں، ماںکل جنکس، برین لارا اور گوونڈا کو ہیر و تصور کرتی ہے حالانکہ تاریخ ہمارے اسلام کے سنبھارے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ تو اب ضرورت ہے اس امر کی کہ ان نوہلاوں کو مسلمان ہیر و اور ان کے کارناموں سے متعارف کرایا جائے تاکہ وہ ان شخصیات کو سامنے رکھ کر اپنی شخصیت اور کردار کی تشکیل کر سکیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب آنحضرت ﷺ، صحابہ کرام اور ہمارے اسلام اس نسل نو کے آئندیل ہونگے۔

میں نے ”حکایات“ میں مسلمان شخصیات کی زندگی کے سچے واقعات کو موضوع بنایا ہے۔ اگر میری اس کوشش سے چند مخصوص ذہن بھی فکری درس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں اسے اپنی کامیابی بھجوں گا۔

مرتضی اشعر

برکت

یہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت کا واقعہ ہے کہ عرب میں سخت قحط پڑا۔ لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ زمین پانی کی ایک ایک بوند کو ترس گئی۔ درخت مر جھاگئے۔ کھیت کھلیاں اُجز گئے۔ انسان تو کیا حیوانوں کی بھی بھوک اور پیاس سے بُری حالت تھی۔ بنو سعد کا قبیلہ کہ معظمہ سے کئی فرلانگ کے فاصلے پر ایک جنگل کے قریب آباد تھا۔ اس قبیلے کے لوگ مویشی پال کر گذر بر کرتے تھے۔ جب قحط پڑا تو بنو سعد کا قبیلہ ہی سب سے زیادہ متاثر ہوا کیونکہ جب بارش نہ ہوئی تو کھیت سوکھ گئے، فصلیں بر باد ہو گئیں، انسانوں اور حیوانوں کو خوراک نہ ملی اور یوں جاندار بھوک سے مرنے لگے۔

اس زمانے میں عرب میں یہ رسم تھی کہ دیہاتی عورتیں امراء کے بچوں کو پرورش کی غرض سے لیتیں اور جب بچے چار پانچ سال کا ہو جاتا تو اسے والدین کے حوالے کر دیتیں اور اس خدمت کے صلے میں بچے کے والدین سے انہیں انعام و اکرام ملتا۔ جب بنو سعد کی عورتیں قحط سے بچ آگئیں تو وہ ایک قافلے کی شکل میں مکہ کی طرف روانہ ہوئیں تاکہ پرورش کیلئے مکہ کے سرداروں کے بچے حاصل کر سکیں۔ اس قافلے میں ایک عورت بھی شامل تھی جس کا نام حلیمه سعدیہ تھا۔ وہ ایک دُبی پتی اونٹی پرسوار تھیں۔ یہ اونٹی بھوک سے استقدار کمزور ہو چکی تھی کہ اس کے لئے چلنے بھی محال تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حلیمه سعدیہ اپنی اونٹی کی سُست رفتاری کے سبب قافلے سے بہت

پہنچے رہ گئیں اور مکہ معظمه میں دوسری عورتوں کی نسبت بہت دیر سے پہنچیں۔ اسی لئے دوسری عورتوں نے ان سے پہلے مکہ پہنچ کر امیر لوگوں کے پہنچ پرورش کیلئے حاصل کر لئے۔ جب حلیمه سعدیہ پہنچی تو مکہ میں کوئی بھی امیر بچہ نہ رہا۔ بے چاری حلیمه سعدیہ جس دروازے پر دستک دیتیں، انہیں مایوسی کا سامنا ہوتا۔ پریشانی کے عالم میں کے کی گلیوں میں اپنی قسمت آزماتے آزماتے حلیمه سعدیہ کی ملاقات آنحضرت ﷺ کے دادا حضرت عبدالملکب سے ہوئی۔ انہوں نے حلیمه سعدیہ سے ان کا نام اور خاندان کے بارے میں پوچھا۔ نام سن کر حضرت عبدالملکب نے دل میں سوچا کہ یہ عورت یقیناً اپنے نام کی طرح نیک دل ہو گی۔ چنانچہ حضرت عبدالملکب نے حلیمه سعدیہ سے کہا ”کیا تو میرے یتیم پوتے کی پرورش کرے گی، کیا تو اسے دودھ پلائے گی؟“ حلیمه سعدیہ نے عرض کی حضور کیوں نہیں۔ آپ اپنا پوتا میرے حوالے کریں میں اس کی بہتر پرورش کروں گی۔“

حضرت عبدالملکب بڑے خوش ہوئے کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے کئی عورتوں کو اپنے پوتے کی پرورش کی ذمہ داری سونپی چاہی تو انہوں نے اس خیال سے صاف انکار کر دیا کہ بچہ یتیم ہے شاید انہیں ان کی خدمت کا صحیح معاوضہ نہ ملے۔ چنانچہ حضرت عبدالملکب حلیمه سعدیہ کو اپنے گھر لے گئے اور ایک بہت خوبصورت بچے کو جو اس وقت پنگھوڑے میں سورہاتھا پرورش کی غرض سے حلیمه سعدیہ کے حوالے کر دیا۔ جب حلیمه سعدیہ اس بچے کو لینے کیلئے آگے بڑھیں تو انہیں محسوس ہوا جیسے اچانک کمرے میں ایک نور سا پھیل گیا ہو۔ وہ بچے کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ حلیمه سعدیہ نے جیسے ہی بچے کو گود میں اٹھایا تو اس نے مسکرا کر آنکھیں کھوں دیں۔ حلیمه سعدیہ نے بچے کی پریشانی پر پیار کیا اور سینے سے لگایا۔ پھر وہ اس بچے کو ساتھ لے کر اپنے قبیلے لوٹ آئیں۔ حلیمه سعدیہ جان چکی تھیں کہ یہ کوئی عام بچہ نہیں بلکہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہ کی کہ بچہ یتیم ہے اور اس کی پرورش کا مناسب معاوضہ نہیں ملے گا۔ جب حلیمه سعدیہ اس بچے کو لے کر اپنے گھر پہنچیں تو ان کے شوہر اس بات پر

سخت ناراض ہوئے کہ حلیمہ ایک یتیم بچے کو لیکر کیوں آئیں ہیں لیکن حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر کو بتایا یہ کوئی عام بچہ نہیں ہے۔ اتنے میں دودھ دوہنے کا وقت ہو گیا حلیمہ جانتی تھیں کہ ان کی اونٹی بہت کمزور ہے اور بھوک کی وجہ سے اب اتنا دودھ بھی نہیں دیتی کہ اس کے پچوں کا گزارا ہو سکے لیکن اس دن جب حلیمہ نے اونٹی کا دودھ دوہنا شروع کیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ اونٹی کے قہن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں اور اتنا دودھ ہے کہ برتن بھر گئے اور دودھ ہے کہ پھر بھی ختم نہیں ہو رہا۔ حلیمہ سعدیہ کے شوہر نے جب یہ مجرہ دیکھا تو بے اختیار کہنے لگے حلیمہ تو سچ کہتی تھی کہ یہ کوئی عام بچہ نہیں بلکہ یہ بڑی برکتوں والا بچہ ہے۔

اس میں کیا شبہ تھا۔ یہی بچہ بڑا ہو کر رحمت الملائیں کہلایا۔ جس نے پوری دنیا میں خدا کے دین کو پھیلا یا اور جو پوری دنیا کیلئے رحمت بنکر آیا یعنی ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ۔



حسن سلوک

آنحضرور ﷺ کی سربراہی میں جب مسلمانوں نے مفت کر لیا تو اس وقت آنحضرور ﷺ نے دیکھا کہ مکہ کی ایک ضعیف عورت سر پر ایک بھاری گھری لئے بھاگی جا رہی ہے۔ آپ ﷺ کو اس بوڑھی عورت پر ترس آیا کہ بڑھاپے کے باوجود داس نے سر پر گھری کا بوجھ لادھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ اس بڑھاپے کے قریب آئے اور اس سے وجہ پوچھی کہ وہ اتنا بوجھ سر پر اٹھا کر کہاں جا رہی ہے؟ اس بڑھاپے کہا ”اے بیٹے! میں محمد ﷺ نامی ایک شخص کے خوف سے مکہ چھوڑ کر جا رہی ہوں کہ بھیں وہ مجھ سے میرا مدد ہب نہ چھڑا دے“۔ آپ ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور اس بڑھاپے سے کہا ”میں اتنی بھاری گھری تو کیسے اٹھائے گی۔ لایہ بوجھ مجھے دے دے“۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے وہ گھری اپنے سر پر اٹھا لی اور بڑھاپے کے ساتھ چل پڑے۔ تمام راستے وہ بڑھاپے محمد ﷺ کو را بھلا کتی رہی اور آپ ﷺ نہایت صبر و تحمل سے سنتے رہے۔ آخر کار بڑھاپے اپنی منزل پر پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے بڑھاپے کی گھری اس کے حوالے کر کے والپی کی اجازت چاہی۔ بڑھاپے آنحضرور ﷺ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ”بیٹے مکہ میں محمد ﷺ آگیا ہے۔ وہ بہت بڑا جادوگر ہے، اس سے فتح کر رہنا“۔ آپ ﷺ نے بڑھاپے کی بات سن کر نہایت ملائمت سے کہا ”میں وہی محمد ﷺ ہوں جس کے خوف سے تو مکہ چھوڑ آئی ہے“۔ بڑھاپے جب یہ سناتو وہ بہت شرمندہ ہوئی اور اس نے کہا ”بے شک آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں جو دشمنوں

کے ساتھ بھی اچھا سلوک روا رکھتے ہیں۔

پیارے بچو! پھر وہ بڑھیا آنحضرت ﷺ کے حسن سلوک سے اس قدر متاثر ہوئی کہ
اُس نے اپنا مہب چھوڑ کے فوراً دین اسلام قبول کر لیا۔



دیانت

خلافے راشدین میں حضرت عمر فاروقؓ اپنی انصاف پسندی اور دیانتداری کے حوالے سے مشہور ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ بھریں سے مشکل کستوری آیا۔ کستوری ایک بے حد قیمتی خوشبو ہے جو ہر کسی کی ناف سے نکلتی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ اس وقت اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؓ نے فرمایا ”اگر کوئی کستوری کو تول دیتا تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا۔“ آپؓ کی یہی حضرت عاقلہؓ نے آپؓ کی بات سن کر نہایت فرمانبرداری سے عرض کی ”یا امیر المؤمنین! اگر آپؓ حکم دیں تو کستوری کو میں تول دوں۔“ حضرت عمرؓ نے اپنی یہی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد آپؓ نے پھر کہا ”اگر کوئی کستوری کو تول دے تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔“ جواب میں حضرت عاقلہؓ نے پھر عرض کی ”اگر آپؓ اجازت دیں تو کستوری کو میں تول دیتی ہوں۔“ حضرت عمرؓ اس بار بھی خاموش رہے۔

پچھلے دیر بعد حضرت عمرؓ نے تیسری دفعہ پھر یہی بات دہرائی ”اگر کوئی کستوری کو تول دے تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔“ جواب میں حضرت عاقلہؓ نے پھر عرض کی ”اے مسلمانوں کے خلیفہ! اگر آپؓ اجازت دیں تو کستوری میں تول دیتی ہوں۔“ اس مرتبہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا ”اے عاقلہؓ! مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ تم جب کستوری کو تولنے کے لئے ترازو کے

پڑوں میں رکھو تو یہ تمہارے ہاتھوں سے لگتی رہے اور جب ہمارے حصے کی کستوری ہمیں ملے تو اس میں تمہارے ہاتھوں سے لگی ہوئی کستوری بلا تقسیم ہمارے حصے میں آجائے۔ میرے نزدیک یہ بھی ایک طرح کی بد دیانتی ہوگی۔

دیکھا بچو! حضرت عمر فاروق کی دیانت داری کو۔ اگر ہمارے حکمران اور عوام آج بھی حضرت عمرؓ کی سوچ کو اپنالیں تو پھر کسی کو کسی سے کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔

☆☆☆

حاضر جوابی

حضرت علیؑ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی اور دادا تھے۔ آنحضرت علیؑ کو حضرت علیؑ سے بہت محبت تھی۔ حضرت علیؑ بچپن سے ہی آنحضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ حضرت علیؑ نے آنحضرت علیؑ کی تعلیمات پر صحیح معنوں میں عمل کیا۔ جب آنحضرت علیؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو یہ حضرت علیؑ ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے آپ علیؑ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ اس وقت حضرت علیؑ کی عمر صرف نو برس تھی۔ حضرت علیؑ نے ہر مشکل گھری میں آنحضرت علیؑ کا ساتھ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ علیؑ کو حضرت علیؑ سے خاص محبت تھی۔ رسول اللہ علیؑ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ جنہیں خاتون جنت بھی کہتے ہیں، کو حضرت علیؑ کے نکاح میں دے دیا۔ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ، حضرت علیؑ اور فاطمہؓ کے بیٹے ہیں۔ آنحضرت علیؑ کو اپنے ان نواسوں سے بھی بہت محبت تھی۔ ہماری اسلامی تاریخ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے شہری کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ حضرت علیؑ کی طرح ان کی اولاد نے بھی دین اسلام کی سر بلندی کے لئے بڑی قربانیاں دیں۔ اور اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے نانا حضرت محمد علیؑ کے دین کا بول بالا کیا۔ بلاشبہ یہ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؓ کی تربیت کا اثر تھا۔ حضرت علیؑ کی تمام زندگی یعنی بچپن سے لے کر شہادت تک اسلام کے لئے وقف تھی۔ حضرت

علیؑ کو ہر جنگ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے۔ ان تمام جنگوں میں حضرت علیؑ نے بڑی بہادری اور جماعت کے جو ہر دکھائے اسی لئے انہیں شیر خدا کا القب ملا جس کا مطلب ہے ”خدا کا شیر“۔ بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ میں ایک اور بڑی خوبی یہ تھی کہ علم اور دانائی میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، اسی لئے آپ کو ”باب العلم“ یعنی علم کا دروازہ کہا جاتا ہے۔

یہ واقعہ حضرت علیؑ کا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محفل میں صحابہ کرام بیٹھے تھے۔ حضرت علیؑ آنحضرت ﷺ کے بالکل پاس پہلو میں بیٹھے تھے۔ حضرت علیؑ کو کیونکہ حضور ﷺ کا قرب حاصل تھا اور بچپن سے حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اس لئے آپ ﷺ حضور ﷺ سے کبھی کبھی مذاق بھی کر لیا کرتے تھے لیکن اس مذاق میں شائستگی کا پہلو ہوتا تھا۔ یہ واقعہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ کوئی صحابی رسول، حضور ﷺ کی خدمت میں کھجور کی ٹوکری لے کر آیا۔ آپ ﷺ نے وہ ان صحابہ کرام میں تقسیم کی جو آپ ﷺ کی محفل میں شریک تھے اور کھجور کی افادیت پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد حضور ﷺ اور تمام صحابہ کرام کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت علیؑ جو حضور ﷺ کے پہلو میں بیٹھے کھجوریں کھار ہے تھے، اچانک انہیں کچھ سو جھا کہ انہوں نے کھجوریں کھا کر ان کی گھٹلیاں آنحضرت ﷺ کے سامنے اُس جگہ رکھنی شروع کر دیں جہاں پر حضور ﷺ اپنی کھجوروں کی گھٹلیاں رکھ رہے تھے۔ سارے صحابی کھجوریں کھا کر گھٹلیوں کا ڈھیرا پنے سامنے لگا رہے تھے جبکہ حضرت علیؑ اپنی گھٹلیاں آنحضرت ﷺ کی گھٹلیوں میں رکھ رہے تھے، اس لئے حضور ﷺ کے سامنے نسبتاً گھٹلیوں کا بڑا ڈھیر تھا۔ جب سب کھجوریں کھا چکے تو حضرت علیؑ نے سب کی گھٹلیوں کی طرف دیکھتے ہوئے ازراہ مذاق کہا ”یہ دیکھئے کہ سب سے زیادہ کھجوریں ہم میں سے کس نے کھائی ہیں۔ تمام صحابی حضور ﷺ کے سامنے لگی ہوئی بڑی ڈھیری کو دیکھنے لگے لیکن کسی کو کچھ کہنے کی بہت نہ ہوئی۔ حضور ﷺ جو حضرت علیؑ کی شرارت کو بھانپ چکے تھے، مسکرائے اور بڑی حاضر جوابی سے کہا ”یہ بھی دیکھئے کہ کون کھجوریں گھٹلیوں سمیت کھاتا

رہا ہے، اس پر تمام صحابہ حضرت علی کی طرف دیکھنے لگے کیونکہ ان کے سامنے گھلیلوں کا ڈھیر نہیں تھا۔ اب تمام صحابہ حضرت علی کی شرارت کو سمجھ چکے تھے اور سب ہنسنے لگے۔



سچائی

حضرت فضیل اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک مشہور ڈاکو تھے۔ وہ عرب کے صحرا میں تافلوں کو لوٹا کرتے تھے۔ لوگوں کے دلوں پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ صحرا سے گزرنے والا کوئی قافلہ ان کی لوٹ مار سے محفوظ نہ تھا لیکن جیسے ہی انہوں نے اسلام قبول کیا اور سچے دل سے توبہ کی تو ان کی زندگی بدل گئی۔ ان کا دل اسلام کے نور سے روشن ہو گیا۔

حضرت فضیل کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک بار ایک قافلے نے آرام کی غرض سے صحرا میں پڑا۔ قافلے میں موجود ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا۔ حضرت فضیل قافلے کو لوٹنے کی غرض سے وہاں پہنچ گئی۔ قرآن پاک کی تلاوت نے ان کے دل پر اثر کیا اور وہ تلاوت غور سے سننے لگے۔ جب انہوں ایک آیت سنی جس کا ترجمہ یہ ہے ”اہل ایمان کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کے خوف سے خوفزدہ ہو جائیں“۔ اس آیت کا حضرت فضیل کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ انہوں نے پیشیاں ہوتے ہوئے کہا ”اب وہ وقت آپ کا ہے کہ ہم اللہ کی راہ پر چل پڑیں“۔ یہ کہ کروہ زار و قطار رونے لگے۔ روتے روتے ان کے کانوں میں یہ الفاظ پڑے، قافلے میں سے کوئی شخص کہہ رہا تھا ”کہ سناء ہے اس راستے میں فضیل ڈاکو ہے۔ لہذا ہمیں راستہ بدل لینا چاہیے“۔ حضرت فضیل نے جب یہ الفاظ سننے تو انہوں نے اوپری آواز میں کہا ”لوگو! اب تم بے خوف ہو جاؤ۔ میں نے ڈاکوں سے توبہ کر لی ہے۔ میں ہی فضیل ہوں اور میں

نے اب اسلام قبول کر لیا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے جن لوگوں کو اذیتیں پہنچائیں تھیں، جن کا مال لوٹا تھا ان سے معافی مانگ لی۔ کہتے ہیں ایک یہودی نے حضرت فضیل کو معاف کرنے سے انکار کر دیا اور یہ شرط عائد کی کہ اگر تم سامنے والی پہاڑی کو اپنی جگہ سے ہٹا دو تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ حضرت فضیل نے فوراً مٹی ہٹانی شروع کر دی۔ اتفاق سے خدا کا کرنا ایسا ہوا اسی وقت تیز آندھی چلنی شروع ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پہاڑی اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ یہودی نے یہ دیکھ کر اپنے دل سے حضرت فضیل کے لئے جونفتر تھی، نکال دی اور کہا ”میں نے خود سے یہ عہد کر کھاتھا کہ جب تک فضیل میرا مال واپس نہیں دے گا۔ میں اُسے معاف نہیں کروں گا۔ لہذا تم میرے نیکے کے نیچر کھلی ہوئی اشرفیوں کی تھیلی اٹھا کر مجھے دے دوتا کہ میرا عہد بھی پورا ہو جائے۔“ چنانچہ حضرت فضیل نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اس یہودی نے ایک اور شرط رکھی کہ پہلے تم مجھے مسلمان کرو پھر میں تمہیں معاف کروں گا۔ حضرت فضیل نے کلمہ پڑھا کر اس یہودی کو مسلمان کیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس یہودی نے بتایا کہ میرے مسلمان ہونے کی وجہ یہ تھی کہ میں نے توریت میں پڑھ رکھا تھا کہ اگر سچے دل سے توبہ کرنے والا مٹی کو بھی ہاتھ لگائے تو وہ سونا بن جاتی ہے اور میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کیا تم نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے۔ اب مجھے تمہاری اور تمہارے مذہب کی سچائی پر پورا بھروسہ ہے۔ اس لئے میں نے اسلام قبول کر لیا۔



ذہانت

عراق میں ایک ندی کے کنارے مشہور شہر کوفہ آباد تھا۔ یہ شہر علم و ادب اور تہذیب کے حوالوں سے اپنی مثال آپ تھا۔ حضور ﷺ کے عہد کے بعد ہی اس شہر میں بڑے بڑے عام و بزرگ پیدا ہوئے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا۔ یہ امام ابو حنیفہ کے بھیپن کا واقعہ ہے کہ ایک کافر جو بہت عالم فاضل تھا اور اسے اپنے علم و فضل پر بڑا گھمنڈ تھا، کہیں سے کوئی میں آ کر رہنے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کے علم و فضل کا شہر پورے کوفہ میں پھیل گیا۔ وہ کافر اپنی دل موہ لینے والی باتوں سے مسلمانوں کو دروغ لانے کی کوشش کرنے لگا تاکہ ان کا ایمان کمزور کر سکے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ کوفہ کے بڑے بازار میں ایک چھوٹے پرکھڑا ہو کر اپنی علمیت کی ڈیگنی مارنے لگا۔ اس نے کوفہ کے مسلمانوں سے تین سوال کئے لیکن کوئی بھی ان سوالوں کے جواب نہ دے سکا۔ اسی دوران ابوبخیر وہاں سے گزرے۔ آپ کتب جاری ہے تھے اور آپ کے گلے میں بستہ لٹک رہا تھا۔ امام ابو حنیفہ نے جب کافر کو شجھی بگھارتے دیکھا تو آپ رُک گئے اور کہا ”میں تیرے سوالوں کے جواب دوں گا، تو اپنے سوال کر۔“ اس نئھے طالب علم کے حوصلے کو دیکھ کر بہت سے لوگ آس پاس جمع ہو گئے۔

کافر نے نئھے طالب علم سے پہلا سوال یہ کیا کہ بتاؤ اس وقت تمہارا اللہ کیا کر رہا ہے؟۔ طالب علم نے کہا ”پوچھنے والے سے بتانے والے کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔ اس لئے تم میری

جگہ پر آ جاؤ اور میں تمہاری جگہ پر۔۔۔ کافر چھوڑے سے نیچے اتر آیا اور طالب علم نے چھوڑے پر کھڑا ہونے کے بعد اپنی آواز میں لوگوں کو متوجہ کر کے کہا ”اے لوگو! گواہ رہنا اس وقت اللہ تعالیٰ ایک کافر کے رتبے کو گھٹا رہا ہے اور ایک مسلمان بچے کے رتبے کو بڑھا رہا ہے۔۔۔ نفے طالب علم کا یہ جواب سن کر سارے مسلمان اس بچے کی دانائی پر حیران ہوئے اور وہ وہ کرنے لگے جبکہ کافر طالب علم کا یہ جواب سن کر شرمند ہوا۔ کافر نے اپنے ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے طالب علم سے دوسرا سوال کیا کہ بتاؤ ”خد اسے پہلے کیا تھا؟“۔۔۔ نفے طالب علم نے اس سوال کے جواب میں کافر کو نو (9) سے الٹی گنتی گئنے کو کہا۔ کافر گنتی گئنے لگا۔ ”نو، آٹھ، سات، چھ، پانچ، چار، تین، دو، ایک“ اور پھر وہ چپ ہو گیا۔ طالب علم نے کہا ”تم چپ کیوں ہو گئے؟، ایک سے پہلے کیا؟ کافر نے جواب دیا ”ایک سے پہلے تو کچھ نہیں ہوتا، صفر ہوتی ہے۔“ طالب علم نے ممکراتے ہوئے کہا ”تو بس اللہ بھی ایک ہے، اس سے پہلے کیا ہو سکتا ہے؟“ کافر ابوحنیفہ کے اس جواب پر ہمگاہہ گیا اور دوسرے لوگ بھی اس کمن بچے کی عقلمندی پر دنگ رہ گئے۔ پھر کافر نے طالب علم سے تیسرا سوال کیا کہ ”تمہارے اللہ کا منہ کس طرف ہے؟“ سوال سن کر طالب علم نے ایک موم ہتی مٹاوائی اور اسے روشن کر کے کافر سے پوچھا ”اس روشنی کامنہ کس طرف ہے؟“ کافر بولا ”چاروں طرف۔“

طالب علم نے کہا اللہ بھی ایک نور ہے، جس سے چاروں طرف اجلا ہے یعنی اس کامنہ بھی چاروں طرف ہے، وہ چاروں طرف دیکھ سکتا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ کافر اس بچے کے جوابوں سے لا جواب ہو گیا تھا، اس کے پاس کوئی سوال نہ رہا۔ نفے طالب علم نے اپنی ذہانت سے کافر کی زبان بند کر دی اور وہ شرمند ہو کر کوفہ سے چلا گیا۔ لوگوں نے نفے طالب علم کو اسکی عقلمندی پر شاشا ش دی۔



عظمیم حکمران

یہ واقعہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور حکومت کا ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلیفہ یعنی عمر بن عبد العزیز کے اپنے گھر کا ہے۔ ایک دن آپؐ کے گھر کے چحن میں آپؐ کا کمن بیٹا کھڑا رہا تھا۔ بچے کی ماں خلیفہ کی بیوی نے سوچا شاید بچے کو بھوک ستارہ ہی ہے۔ اس نے اسے سینہ سے لگایا، اندر لے آئی، پیار کیا اور کھانا دیا لیکن بچہ چپ نہ ہوا اور اس کی حالت بدستور وہی رہی تو ماں کا دل بچے کی اس حالت پر تڑپ اٹھا، اس نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ بچے سے رونے کا سبب پوچھا۔ بچے نے روتے ہوئے ماں کو بتایا ”ماں! میرا لباس جگہ سے پھٹ چکا ہے اور جہاں سے پھٹ جاتا ہے آپ وہاں پیوند لگا دیتی ہیں، اب تو میرے لباس میں اور پیوند لگانے کی جگہ بھی نہیں رہی۔ مدرسے میں میرے سارے ساتھی اچھے کپڑوں میں آتے ہیں۔ وہ میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں تم خلیفہ کے بیٹے ہو کر بھی اس جیسے میں مدرسے آتے ہو۔“ ماں نہیں بچے کی یہ بات سن کر بہت رنجیدہ ہوئی۔ اس نے بچے کو بہلا پھسلا کر سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن بچہ نہ مانا اور اس نے کہہ دیا ”ماں! اگر آپؐ نے مجھے نیا لباس نہ سلوا کر دیا تو میں کل مدرسے نہیں جاؤں گا۔“ اسی دوران حضرت عمر بن عبد العزیز گھر میں داخل ہوئے۔ بچے کی ماں نے اپنے شوہر سے کہا ”اے مسلمانوں کے خلیفہ! میں ایک بادشاہ زادی ہونے کے باوجود گھر کے سارے کام خود کرتی ہوں۔ میں نے روکھا پچیکا کھا کر آپؐ کے ساتھ گذار کیا ہے۔ ہمیشہ آپؐ کی

اطاعت کی ہے۔ آپ کے حکم پر اپنی دولت جائیداد اور زیورات بیت المال میں جمع کرادیے۔ آپ سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میرے لخت جگر کو مدرسے میں اپنے پھٹے پرانے لباس کی وجہ سے شرمند ہونا پڑے، لہذا آپ آج ہی میرے بیٹے کے لئے ایک نئے لباس کا انتظام کریں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے دل پر یوی کی ان باتوں کا گھر اثر ہوا، وہ بھی اپنے بچ کو نیا لباس دلوانا چاہتے تھے لیکن ان کی جیب میں بھوٹی کوڑی تک نہ تھی چنانچہ آپ نے یوی سے کاغذ قلم منگوا یا اور بیت المال کے وزیر کو ایک رقعہ لکھ کر بھیجا کہ میرے اگلے ماہ کی تجوہ میں سے کچھ رقم پیشگی دے دو، اگلے ماہ تجوہ سے کاٹ لینا۔ کچھ دیر بعد بیت المال کے وزیر کا جوابی خط ملا جس میں لکھا تھا اے خلیفہ! آپ اس بات کی کیسے سفہانت دیں گے کہ آپ اگلے مہینے تک زندہ رہیں گے اور خلیفہ کے منصب پر فائز بھی رہیں گے۔ عمر بن عبد العزیز یہ سب پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ بھلا وہ اس کی سفہانت کیسے دے سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی یوی اور بیٹے کو سمجھایا کہ اگلے مہینے تجوہ ملنے پر نیا لباس منگوادوں گا۔

دیکھا بچو! ایک عظیم مسلمان حکمران کے حالات زندگی، سادگی اور دیانت۔ کیا ہم اپنے آج کے حکمرانوں سے اس کی توقع کر سکتے ہیں؟۔



نیت

پیارے بچو! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے محدث، مفسر اور عالم دین گزرے ہیں۔ انہوں نے ایک دولت مند گھرانے میں آنکھ کھو لی تھی۔ ان کے والد نے ان کے لئے بہت کچھ چھوڑا تھا لیکن امام بخاریؓ علم حاصل کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ اسی لئے انہوں نے اپنی تمام دولت علم حاصل کرنے میں خرچ کر دی۔ ان کا خیال تھا کہ علم کی دولت سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کے لئے یا گم ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں بلکہ یہ خرچ کرنے سے کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تمام دولت علم کے حصول میں صرف کر دی اور اپنے دل و دماغ کو علم کے سرمائے سے بھر لیا لیکن مالی طور پر بالکل کنگال ہو گئے اور نوبت فاقوں تک آگئی۔ ان حالات میں ایک دن امام بخاریؓ نے سوچا کیوں نہ میں وہ تحائف فروخت کر دوں جو مجھے دوستوں اور عقیدت مندوں سے ملے ہیں۔ جب انہوں نے اس خیال کا انہمار کیا تو ایک شخص جوتا جر بھی تھا اُس نے امام بخاریؓ سے عرض کی ”یا حضرت! مجھے مال دکھاد بجئے تاکہ میں قیمت لگا سکوں۔“ امام بخاریؓ نے اس شخص کو تمام چیزیں دکھادیں۔ تا جرنے ان چیزوں کی قیمت پانچ ہزار روپیہ لگائی۔ امام بخاریؓ کو رقم کی اشد ضرورت تھی اس لئے انہوں نے دل میں سوچا کہ سو دا کر لوں لیکن پھر رکے اور کچھ سوچ کر بولے ”میں یہ بات کل طے کروں گا کہ مجھے یہ تھے فروخت کرنے ہیں یا نہیں۔“ چنانچہ وہ تاجر کل دوبارہ آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ تاجر کے چلے جانے کے بعد

امام بخاریؓ نے اپنی ضروریات کا اندازہ لگایا اور دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے تھائے کو اس تاجر کے ہاتھوں فروخت کر دیں گے۔

اگلے دن اس سے پہلے کہ وہ تاجر آتا، ایک اور تاجر امام بخاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ”میں آپؒ کے تھنے خریدنا چاہتا ہوں۔“ امام بخاریؓ نے کہا ”میں ان تھائے کا سودا طے کر چکا ہوں۔“ لیکن امام بخاریؓ کے دوستوں نے کہا ”یا حضرت! آپؒ نے سودا تو نہیں کیا تھا بلکہ اس تاجر کو دوبارہ آنے کو کہا تھا۔ لہذا کوئی حرج نہیں اس تاجر کو بھی مال دکھاد بجئے ایسا کرنے سے آپؒ کو اپنی اشیاء کی مالیت کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔“ امام بخاریؓ نے نہ چاہتے ہوئے بھی دوستوں کے کہنے پر اس دوسرے تاجر کو اپنے تھنے دکھادیے۔ اس تاجر نے ایک ایک چیز کو اچھی طرح سے پر کھنے کے بعد ان سب کی قیمت دس ہزار روپیہ بتائی۔ پہلے تاجر نے انہی چیزوں کے صرف پانچ ہزار روپیہ لگائے تھے جبکہ یہ تاجر انہی چیزوں کو دس ہزار روپیہ میں خریدنے پر راضی تھا۔ صاف پانچ ہزار روپیہ کا فرق تھا، کوئی دو چار روپیہ کی بات نہ تھی امام بخاریؓ کے دوست خوش ہوئے۔ اس تاجر کو مال دینے میں امام بخاریؓ کا فائدہ تھا چنانچہ تمام دوستوں نے کہا حضرت! آپؒ یہ چیزیں اسی تاجر کو فروخت کریں لیکن امام بخاریؓ نے کہا ”میں یہ چیزیں اس پہلے تاجر ہی کو دوں گا۔“ سب حیران ہوئے اور وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا ”میں نے پہلے تاجر کو تھنے دکھانے کے بعد اپنے دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ ان کو اسی تاجر کے ہاتھوں فروخت کروں گا۔“

اگرچہ سودا پہلے تاجر سے طے نہیں ہوا تھا لیکن امام بخاریؓ دل میں نیت کر چکے تھے کہ تھنے پہلے تاجر ہی کو پیچیں گے، اس لئے یہ بات اب تقویٰ کے خلاف تھی کہ زیادہ دام ملنے پر وہ ان تھائے کو کسی دوسرے تاجر کے ہاتھ پیچ دیتے۔ چنانچہ امام بخاریؓ نے وہ تھائے پانچ ہزار روپیہ میں پہلے تاجر کے ہاتھوں فروخت کر دیے۔



برتری

خلیفہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام امین اور دوسرے کا نام مامون تھا۔ امین ملکہ زبیدہ کا لڑلا جبکہ مامون خلیفہ ہارون الرشید کو بہت عزیز تھا۔ ملکہ زبیدہ کو اس نانصانی پر بادشاہ سے شکایت تھی۔

ایک دن ملکہ زبیدہ نے خلیفہ ہارون الرشید سے طنزًا پوچھا "یا امیر المؤمنین! امین، مامون سے زیادہ خوبصورت، شاشکت اور ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ پھر کیوں آپ مامون کو اچھا سمجھتے ہیں، اسے امین سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور امین پر ترجیح دیتے ہیں؟"۔ خلیفہ ہارون الرشید ملکہ کی بات سن کر پہلے تو مسکرائے اور پھر کہا "اے ملکہ! اگر تم وجہ جاننا چاہتی ہو تو ٹھہر وابھی اس کا بھید کھل جائے گا"۔ یہ کہہ کر خلیفہ نے اپنے ایک مشیر خاص کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فوراً شہزادے امین کے پاس جاؤ اور اس سے سوال کرو کہ اگر آپ خلیفہ بن جائیں تو مجھے کیا انعام دیں گے؟۔ مشیر خاص خلیفہ کے حکم کے مطابق شہزادہ امین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے امین سے سوال کیا "اے شہزادے! اگر آپ خلیفہ بن جائیں تو مجھے کیا انعام دیں گے؟۔ شہزادے امین نے کہا "مشیر خاص میں تمہیں انعام میں مصر کی حکومت سونپ دوں گا"۔ مشیر خاص نے بادشاہ اور ملکہ کے حضور پیش ہو کر شہزادے امین کا جواب پہنچا دیا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اس کے بعد مشیر خاص کو حکم دیا اب شہزادے مامون کے پاس جاؤ اور یہی سوال دہراو۔ پھر مامون جو جواب دے اس

سے ہمیں آگاہ کرو۔ چنانچہ خلیفہ کے حکم پر مشیر نے شہزادے مامون کی خدمت میں پہنچ کرو ہی سوال دہرایا جو اس نے شہزادے امین سے کیا تھا یعنی ”اے شہزادے! اگر آپ خلیفہ بن جائیں تو مجھے کیا انعام دیں گے؟۔ شہزادہ مامون جو اس وقت کچھ لکھنے میں مشغول تھا اور روشنائی کی دو اس کے سامنے رکھی تھی، جب شہزادے نے مشیر کی یہ بات سنی تو وہ غصے سے لال بیلا ہو گیا اور اس نے سامنے رکھی ہوئی روشنائی کی دو اس مشیر خاص کے منہ پر دے ماری اور کہا ”اوے بد جنت! تو مجھ سے میرے باپ کی موت کی بات کرتا ہے، خدا نہ کرے میں ان کے بعد بھی زندہ رہوں“۔

مشیر خاص نے خلیفہ اور ملکہ کے رو بروپیش ہو کر جو واقعہ پیش آیا، جوں کا توں بیان کر دیا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ملکہ زبیدہ کی طرف دیکھ کر کہا ”ملکہ عالیہ! اب آپ کیا کہتی ہیں“، ملکہ زبیدہ نے جواب میں شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔



دانائی

حکیم لقمان اپنی عقلمندی اور دانائی کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ کہتے ہیں ایک بار حکیم لقمان ایک ندی کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک مسافر نے انہیں روک کر پوچھا ”ارے بھائی کیا آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ میں یہاں سے شہر تی دیر میں پہنچ جاؤں گا؟“ حکیم لقمان نے مسافر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور چلتے رہے۔ مسافر نے یہ سوچ کر کہ شاید اس شخص نے میری بات سنی نہ ہو یا پھر سمجھی نہ ہو، دوبارہ اپنا سوال دہرا�ا ”جناب مجھے یہاں سے شہر جانے میں کتنی دیر لگے گی؟“ لقمان نے اس مرتبہ نہایت دھیسے لبجے میں کہا ”اپنی راہ لو۔“ مسافر نے حیران ہوتے ہوئے پھر پوچھا ”بھائی صاحب میں نے آپ سے ایک سوال کیا ہے، شاید آپ نے سنائیں۔ میں ایک تھکا ماندہ مسافر ہوں اور مجھے شہر جانا ہے۔ شہر یہاں سے کتنی دور ہے اور مجھے شہر تک پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی؟“

حکیم لقمان نے پھر وہی جواب دیا ”میاں میں تم سے کہہ تو رہا ہوں کہ جاؤ اپنی راہ لو۔“ مسافر لقمان کا جواب سن کر سیخ پا ہو گیا لیکن اُس نے خود پر قابو پایا اور دل میں سوچا کتنا عجیب شخص ہے مفت ہاتھ آئی یعنی پر بھی آمادہ نہیں، شاید اس کا دماغ خراب ہے۔ یہ سوچ کر مسافر نے لقمان سے کچھ نہ پوچھنے کا ارادہ کیا اور شہر کی جانب چل پڑا۔ ابھی کچھ ہی دور گیا ہو گا کہ پیچھے سے حکیم لقمان کی آواز آئی ”مسافر سنو تم دو گھنٹے تک شہر پہنچ جاؤ گے۔“ لقمان کی آواز سن کر خود خود

مسافر کے قدم رُک گئے، اُسے بڑی حیرت ہوئی اور وہ اُلٹے قدموں سے لقمان کے پاس آیا، اُس نے لقمان سے دریافت کیا "بھائی! جب میں نے تم سے بار بار پوچھا کہ میں شہر کی تھی دیر میں پہنچوں گا تو تم نے کوئی جواب نہ دیا اور اب جبکہ میں آپ سے مایوس ہو کر اپنی راہ پر چل دیا تو تم نے پیچھے سے صدا دی کہ میں دو گھنٹوں تک شہر پہنچ جاؤں گا، یہ کیا بات ہوئی؟" لقمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اے مسافر! جب تم مجھ سے بار بار اپنا سوال دہراتا ہے تھے تو اس وقت تم کھڑے تھے اور مجھے معلوم نہ تھا کہ تمہارے چلنے کی کیا رفتار ہے؟ پھر بعد میں جب تم چل پڑے تو میں نے اندازہ لگایا کہ تم جس رفتار سے جا رہے ہو تو تمہیں شہر پہنچنے میں کم از کم دو گھنٹے ضرور لگ جائیں گے۔"

حکیم لقمان کی بات سن کر مسافر بڑا متاثر ہوا اور دل ہی دل میں لقمان کی دانائی کی تعریف کرتے ہوئے شہر کی طرف چل پڑا۔



اندھا فقیر

قدیم زمانے کی بات ہے ملک خراسان پر بخت شاہ کی حکمرانی تھی جو بے حد نیک، رحمہل اور خدا تر س با و شاہ تھا۔ اُسے دنیا کی ہر نعمت اور آسائش حاصل تھی لیکن اس کے باوجود وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ بخت شاہ کے بر عکس اس کا وزیر دلاور، بہت مغزور اور بد مزان تھا۔ اس کا تعلق ایک دولت مند اور معزز گھرانے سے تھا۔ اعلیٰ حسب نسب اور دولت کی ریل پیل نے دلاور خان کا دماغ خراب کر کھا تھا۔ ان تمام خامیوں کے باوجود اس میں ایک خوبی بھی تھی جو ان تمام خامیوں پر بھاری تھی۔ وہ خوبی یہ تھی کہ وہ حد سے زیادہ عقل مند اور نہایت قابل تھا۔ اس کی اسی خوبی کی وجہ سے بخت شاہ اُسے اس کی بد مزا جی کے باوجود برداشت کر رہا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے بخت شاہ اسی وزیر کے ساتھ کسی سفر پر روانہ ہوا۔ ان کے ہمراہ ایک غلام بھی تھا۔ وہ تینوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ جب وہ ایک صحراء سے گذر رہے تھے تو اچانک زبردست طوفان نے انہیں گھیر لیا اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ کچھ دیر بعد طوفان تھا تو انہوں نے ایک دوسرے کو تلاش کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے غلام نے اپنے سے کچھ فاصلے پر ایک جھونپڑی دیکھی۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اُسے ایک اندھا فقیر بیٹھا کھائی دیا۔ غلام نے اس سے پوچھا اے اندھے! ”کیا اس طرف سے کوئی سوار گزرا ہے؟“ اندھے فقیر نے جواب دیا ”بھائی! مجھے تو کسی کی آہٹ سنائی نہیں دی“۔ غلام یہ سن کر آگے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وزیر دلاور

خان کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ایک اندھا شخص بیٹھا جو چہ پر رہا ہے۔ اس نے بھی پوچھا ”وفقیر کیا ادھر سے کوئی سوار گزرا ہے؟“ فقیر نے کہا ”ہاں ایک غلام جو گھوڑے پر سوار تھا کچھ دیر پہلے بیہاں سے ہو کر آگئے گیا ہے۔ دل اور خان بھی اندھے فقیر کا جواب سن کر آگے بڑھ گیا۔ کچھ ہی دیر گزدی تھی اتفاق سے بخت شاہ بھی وزیر اور غلام کو ڈھونڈتا ہوا ادھر آنکلا۔ اس نے جب فقیر کو دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اُتر کر فقیر کے پاس آیا اور بڑے ادب سے پوچھا ”شاہ صاحب کیا آپ کو معلوم ہے ادھر سے کوئی سوار گزرا ہو؟“ اندھے فقیر نے کہا ”جی ہاں جہاں پہلے تو حضور کا غلام ادھر سے گزرا، اس کے بعد ویر گیا ہے۔“

بادشاہ بخت شاہ کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی اور اس نے فقیر سے پوچھا ”شاہ صاحب آپ تو ناپینا ہیں بھلا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں بادشاہ ہوں؟“ اندھے فقیر نے مسکرا کر جواب دیا ”عالیٰ جاہ! آپ کے غلام نے مجھے اندھا کہا، آپ کے وزیر نے مجھے فقیر کہا اور حضور نے مجھے شاہ صاحب کہہ کر مخاطب کیا۔ لہذا گفتگو کے انداز سے ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ کون کیا ہے۔ بخت شاہ اندھے فقیر کی باتوں سے خوش ہوا، اور اسے بہت سا انعام دے کر خصت ہوا۔

محل پہنچ کر بخت شاہ نے غلام کو فقیر سے بد تیزی پر سزا دی اور وزیر دل اور خان کو بلا کر اندھے فقیر سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا اور سمجھایا کہ انسان کو اپنے سے کم تریا چھوٹے سے بھی خوش دلی اور تہذیب سے بات کرنی چاہیے۔ وزیر اپنے رویے پر بہت شرمند ہوا۔ اس نے آئندہ کے لئے اپنی بد مزاجی اور غرور سے توبہ کر لی۔



توبہ

شیخ سعدی شیرازی فارسی زبان کے ایک بہت بڑے شاعر گزرے ہیں۔ انہیں مبلغ اخلاقیات بھی کہتے ہیں۔ ”گلستان“ اور ”بوستان“ ان کی دو مشہور کتابیں ہیں۔ جن میں انہوں نے اخلاق کا پرچار کیا ہے۔ ان کے بہت سے اقوال زریں زبان زد عالم ہیں اور روزمرہ کی گفتگو میں عام استعمال ہوتے ہیں۔ بڑے بوڑھے شیخ سعدی کے پند و نصائح یعنی نصحتیں اپنے قصے کہانیوں میں بیان کرتے رہتے ہیں۔

ایک دفعہ شیخ سعدی گھوصوں علم کی غرض سے شیراز سے بغداد کا سفر کرنا پڑا۔ اس دور میں ریل گاڑی، موڑ کاریں یا ہوائی جہاز نہیں ہوتے تھے بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے گھوڑے، اونٹ اور ہاتھی پر سوار ہو کر جانا پڑتا تھا یا جو لوگ غریب ہوتے تھے وہ پیدل ہی سفر کرتے تھے۔ شیخ سعدی کے پاس بھی سواری کے لئے کوئی جانور نہ تھا اس لئے وہ بھی پیدل ہی بغداد جا رہے تھے۔ بغداد، شیراز سے کافی فاصلے پر تھا اور سعدی شیرازی پیدل تھے۔ پیدل چلتے چلتے ان کا جو تا گھس کر ٹوٹ گیا اور ایسی حالت اختیار کر گیا کہ سعدی کے لئے اس جو تے کو پاؤں میں پہننا ممکن نہ رہا چنانچہ وہ ننگے پاؤں چلنے لگے۔ سفر ابھی بہت باقی تھا۔ ننگے پاؤں چلتے چلتے سعدی کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور پھر چلنے سے وہ چھالے پھٹنے لگے اور تکلیف بڑھنے لگی، یہاں تک کہ شیخ سعدی تکلیف کی شدت سے کراہنے لگے اب ان کے لئے

مزید چنان دشوار ہو گیا وہ ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے گلہ کرنے لگے کہ اے اللہ تعالیٰ
 اگر تو نے مجھے رقم دی ہوتی، میرے پاس پیسے ہوتے تو میں یوں پیدل سفر نہ کرتا، نہ ہی میرا جو تاٹو ٹتا
 نہ ہی میرے پاؤں زخمی ہوتے اور نہ مجھے یہ تکلیف برداشت کرنا پڑتی۔ ابھی شیخ سعدی بیٹھے ہیں
 سوچ رہے تھا کہ انہیں ایک معذور شخص دکھائی دیا جس کے دونوں پاؤں سرے سے تھے ہی نہیں
 اور وہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا، پھر بھی وہ اپنے دھڑکی مدد سے زمین پر بیٹھ کر خود کو گھسیٹ کر چل رہا
 تھا۔ سعدی نے جب یہ منظر دیکھا تو خدا تعالیٰ سے معافی مانگی اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میرے
 دونوں پاؤں سلامت ہیں، میں کھڑا بھی ہو سکتا ہوں، چل بھی سکتا ہوں۔ کیا ہوا جو میرے پاس رقم
 نہیں، سواری کا جانور نہیں یا جوتے نہیں۔ اے اللہ تعالیٰ! تیر لاکھ لاکھ شکر میرے دونوں پاؤں
 سلامت ہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی سعدی نے دوبارہ اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔
 دیکھا بچو! سعدی کو اپنی غلطی کا کس طرح احساس ہوا۔ اس سے ثابت یہ ہوا کہ انسان کو
 ہر حالت میں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر وقت طور پر کوئی پریشانی یا مصیبت آجائے تو اللہ
 تعالیٰ سے اس کا گلہ نہیں کرنا چاہیے۔



احساس

یہ خواجہ نظام الملک طوی کا واقعہ ہے جو اپنی رحمدی، ہمدردی، پرہیزگاری اور انصاف پسندی کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد میں کوتاہی کو کسی صورت معاف نہیں کریں گے۔ وہ خود بھی یہی کوشش کرتے تھے کہ ان کی ذات سے کسی دوسرے مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

خواجہ نظام الملک طوی کی یہ عادت تھی کہ کھانے پینے کی جو چیزان کے سامنے آتی اُسے وہ خود کھانے سے پہلے اپنی محفل میں موجود تمام حاضرین میں تقسیم کرتے اور آخر میں اگر بچ جاتی تو خود کھا لیتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک غریب کسان ان کی خدمت میں ایک خربوزہ لے کر آیا۔ خواجہ نظام الملک طوی نے کسان سے خربوزہ لے کر اُسے کھانا اور اپنی عادت کے برخلاف تمام حاضرین محفل کو نظر انداز کر کے اس خربوزے کو نہایت رغبت سے کھانے میں مشغول ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سارا خربوزہ خود ہی کھالیا اور خربوزہ لانے والے غریب کسان کو بہت سا لعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ نظام الملک طوی کی محفل میں بیٹھے تمام لوگ اس واقعہ پر حیران تھے کہ اس سے پہلے تو کبھی نظام الملک طوی نے ایسا نہیں کیا تھا لیکن حاضرین میں سے کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان سے اس کی وجہ دریافت کرتا۔ جب محفل برخاست ہوئی تو خواجہ نظام الملک طوی کے ایک قریبی دوست سے نہ رہا گیا اور اُس نے خواجہ نظام الملک سے پوچھ ہی لیا ”یا خواجہ!

آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کھانے کی کوئی چیز آپ کے سامنے آئی ہو اور آپ نے اسے پہلے حاضرین میں تقسیم نہ کیا ہو لیکن آج اس کے برعکس آپ نے خربوزہ کسان سے لیتے ہی اسے بڑی رغبت سے خود ہی کھالیا، حاضرین نے اس بات کو محسوس کیا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟“ خواجہ نظام الملک نے اپنے اس دوست کو بتایا کہ جب میں نے خربوزہ لوگوں میں تقسیم کرنے کی غرض سے کاٹا تو مجھے محسوس ہوا خربوزہ کڑوا ہے اور جب میں نے اسے چکھا تو خربوزہ واقعی انتہائی کڑوا نکلا۔ اگر میں وہ کڑوا خربوزہ لوگوں میں تقسیم کر دیتا تو مجھے خدشہ تھا کہ لوگ خربوزے کی تلخی کا اظہار کر دیتے یا اسے منہ سے اگل دیتے اور اس سے غریب کسان کی دل شکنی ہوتی، کیونکہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا اس لئے میں نے وہ سارا خربوزہ خود کھالیا۔ نظام الملک طوی کا وہ دوست ان کی بات سے بہت متاثر ہوا۔



مشورہ

سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھر نے لگا تو ایک عظیم انقلاب کے ذریعے سلجوقیوں کی حکومت قائم ہوئی جس سے اسلامی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ پہلے سلجوقیوں نے خراسان کو فتح کر کے اپنی حکومت قائم کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورے ایران و عراق پر سلجوقیوں کی مضبوط حکومت قائم ہو گئی۔ سلجوقی بادشاہوں نے مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا وقار دلایا۔ ان سلجوقی حکمرانوں میں طغrel بیگ، الب ارسلان، سلطان سخرا و ملک شاہ سلجوقی کے نام قابل ذکر ہیں۔

یہ واقعہ ملک شاہ سلجوقی کے دورِ سلطنت کا ہے کہ ایک دن ملک شاہ سلجوقی کے دامنیں پاؤں میں اچانک موچ آگئی۔ وہ تکلیف کی شدت سے بہت پریشان تھا اور اس تکلیف کی وجہ سے حکومتی امور انجام دینے کے قابل نہ رہا۔ دربار کے تمام امیر اور وزیر حکومت کے کام رُک جانے اور بادشاہ کے پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے پریشان تھے۔

ایک وزیر کے کہنے پر سلطان ملک شاہ سلجوقی نے اپنے ایک خاص اور ماہر حکیم عمر خیام کو ایک خط لکھا یا کہ میرے پاؤں میں موچ آگئی ہے اور میں سخت تکلیف میں ہوں جس کی وجہ سے سلطنت کے تمام امور رُک گئے ہیں اس لئے تم فوراً دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ عمر خیام جو نہ صرف ایک حکیم تھا بلکہ مشہور مخجم، ریاضی دان اور بلند پایہ شاعر بھی تھا، اس وقت ریاضی کے کسی پیچیدہ مسئلے

میں البحجا ہوا تھا وہ فوراً دربار میں ملک شاہ سلجوچی کے علاج کی غرض سے نہیں جا سکتا تھا، دوسری طرف وہ بادشاہ کی ناراضگی سے بھی خوفزدہ تھا۔ چنانچہ وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے کہ اُسے دربار میں بھی نہ جانا پڑے اور بادشاہ بھی ناراض نہ ہو۔ تھوڑی دیر میں اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے اپنی علمندی سے کام لیتے ہوئے جواب میں ملک شاہ سلجوچی کو لکھ بھیجا "بادشاہ سلامت! امور سلطنت کی انجام دہی میں آپ پاؤں کی بجائے سر کو استعمال کریں۔ ایسا کرنے سے آپ سلطنت کے کام بھی سرانجام دے سکیں گے اور آپ کے پاؤں کا علاج بھی ہو جائے گا۔

دیکھا پھو! حکیم عمر خیام نے اپنی دانشمندی سے بادشاہ کو کیا مشورہ دیا۔ ملک شاہ سلجوچی کو عمر خیام کا مشورہ اچھا لگا اور اُس نے اس پر عمل کیا تو پھر امور سلطنت بھی انجام دینے لگا اور پاؤں کی تکلیف سے بھی نجات مل گئی۔



تمت بالخير